

## ☆ اسلامی معاشرت اور طلاق

(آخری قسط)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

### طلاق اور رضاعت

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَيَءِيبْكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا  
عَلَيْهِنَّ ۗ وَإِنْ كُنَّ أَوْلَاتٍ حَمَلٌ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعُوا حَمْلَهُنَّ ۚ  
فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَأَنْتُمْ يُومَأُ بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِنْ  
تَعَاسَرْتُمْ فَسَتْرُضِعْ لَهَا أُخْرَىٰ ۗ (الطلاق ۶:۶۵) اُن کو (زمانہ عدت میں)  
اُسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔ اور انہیں تنگ کرنے  
کے لیے ان کو نہ ستاؤ۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اُس وقت تک خرچ کرتے رہو  
جب تک اُن کا وضع حمل نہ ہو جائے۔ پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچے کو) دودھ پلائیں تو  
اُن کی اجرت انہیں دو، اور بھلے طریقے سے (اجرت کا معاملہ) باہمی گفت و شنید سے  
طے کر لو لیکن اگر تم نے (اجرت طے کرنے میں) ایک دوسرے کو تنگ کیا تو بچے کو کوئی  
اور عورت دودھ پلا لے گی۔

گذشتہ ساری ہدایات دینے کے بعد اب فرمایا جا رہا ہے کہ **أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَيَءِيبْكُمْ**، ”ان کو اُسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، نہ ان کو نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، جو  
غذا تم کو میسر ہو وہی اُن کو بھی کھلاؤ“۔ مزید فرمایا: **وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ**، ”اور ان کو

☆ اس کی پہلی قسط جون ۲۰۱۲ء کے شمارے میں ملاحظہ کیجیے۔ ادارہ

تنگ کرنے کے لیے اُن کو نہ ستاؤ۔“ مراد یہ ہے کہ یہ ساتھ رکھنا شریف آدمیوں کی طرح ہو۔ اگر طلاق کسی جھگڑے کی وجہ سے ہوئی ہے تو مطلقہ بیوی کو ساتھ رکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اگر کوئی موافقت کی صورت نکل سکتی ہو تو نکل آئے۔ اس غرض کے لیے ساتھ رکھنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب تک عدت کی مدت ختم نہیں ہوتی تب تک روز دن کا فساد ہو، لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ ہو۔ اسی طرح اس حکم کا ایک اور مطلب بھی ہے کہ مثلاً اگر ایک آدمی یہ حرکت کرتا ہے کہ ایک طلاق دی اور جب عدت کی مدت گزرنے پر آئی تب رُجوع کر لیا تاکہ اُس کو ایک اور طلاق دی جائے جس سے ایک اور عدت اس پر واجب آجائے۔ پھر عدت کے خاتمے کے قریب رُجوع کرنے اور پھر اسی طرح طلاق دے تاکہ اس کی عدت کی مدت پھیل کر نو مہینے تک ہو جائے۔ ایسا کرنا کسی بھلے آدمی کا کام نہیں ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ مطلقہ عورت کو ساتھ رکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ موافقت کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو نکل آئے۔ اس سے لڑائی جھگڑا کرنے اور اس کو تنگ کرنے کے لیے نہیں دیا گیا ہے۔

وَإِذَا كُنَّ أَوْلِيَاتٍ فَأَبْتُنَّ عَلَيْهِنَّ أَنْ يَقَعَنَّ نِكَاحُهُنَّ، الْاُكْرُ (مطلقہ) عورتیں حاملہ ہوں تو اُن کے اوپر خرچ کرو جب تک کہ وضع حمل نہ ہو جائے، یعنی عدت کی مدت خواہ کتنی طویل ہو (یعنی نو مہینے بھی ہو) وضع حمل تک اس کے مصارف اور اس کی کفالت تمہارے ذمے ہے۔  
فَإِذَا أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتُدُّهُنَّ أَجْرَهُنَّ وَأَتَمُّوهُنَّ بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ، پھر اگر وضع حمل کے بعد عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہو اور تم بھی یہ چاہو کہ وہ اسے دودھ پلائے تو اس صورت میں آپس میں مشورہ کر کے طے کر لو کہ اُس کی اجرت کیا ہوگی۔ یعنی جب تک وہ عورت بچے کو دودھ پلا رہی ہے، اس وقت تک اس کا خرچ اس شخص کے ذمے ہے جس کا بچہ ہو۔ اور اس خرچ یا اجرت کا تعین باہمی مشورے سے کیا جائے۔ وَإِذَا تَعَاَسَرْتُمُ فَسْتَرْضِعُوا لَكُمْ، یعنی اگر تم اجرت طے کرنے میں باہمی تنگی محسوس کرو، یعنی عورت زیادہ رقم کا تقاضا کرے اور مرد کم دینا چاہتا ہو، اور باہم اتفاق نہ ہو سکے تو اس صورت میں بہتر ہے کہ بچے کو کسی اور عورت سے دودھ پلویا جائے۔

لِيُنْفِقُوا ذُرِّيَّتَهُمْ مِنْ سَعَتِهِ ط وَمَنْ قَصَرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ط لَا

يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا اتَّهَمَتْ سَيِّئَةً ۗ اللَّهُ بَعَثَ عُسْرَ يُسْرًا ۝ (۷:۶۵)

خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے مطابق نفقہ دے، اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اُس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا۔ بعید نہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمادے۔

اس آیت کا مفہوم واضح ہے کہ جو خوش حال آدمی ہے وہ اپنی مقدرت کے مطابق بچے کو دودھ پلانے والی عورت کو نفقہ دے، اور جس کا رزق تنگ ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس پر خرچ کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص معاوضہ مقرر نہیں کر دیا گیا کہ کتنا دینا لازم ہوگا، بلکہ یہ بات آپس میں مشورہ کر کے طے کی جائے کہ بچے کے باپ کی مقدرت کیا ہے۔ وہ جتنا بار اٹھا سکتا ہے اسی پر فیصلہ ہوگا۔

مزید فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا اتَّهَمَتْ، یعنی اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا۔ گویا ایک اصول طے کر دیا گیا کہ ہر آدمی کی ذمہ داری اس کی مقدرت کے لحاظ سے ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر فرمایا کہ: سَيِّئَةً ۗ اللَّهُ بَعَثَ عُسْرَ يُسْرًا، یہ اطمینان دلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ عسر (تنگ دستی) کے بعد یسر (فراخ دستی) عطا کرنے والا ہے۔ اس لیے تنگ دلی سے کام نہ لو۔ ایک چیز تنگ دستی ہوتی ہے اور ایک چیز تنگ دلی ہوتی ہے۔ بسا اوقات ایک آدمی اپنی تنگ دستی سے بڑھ کر بخیل بن جاتا ہے۔ وہ اپنی تنگ دستی سے بڑھ کر اپنا ہاتھ روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے منع فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ آج تم تنگ دست ہو تو کل اللہ تعالیٰ تمہیں فراخ دست کر دے۔

قوم کی تباہی کا راستہ

وَكَأَيُّ مَرْءٍ قَرِيبٍ عَنَّتْ عُرْ أُمْرٍ وَيَّهْمًا وَرُسْلَهُ فَنَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا  
وَعَمَّ بِنَاهَا عَمَّ أَبَا نُكْرٍ فَكَفَّ أَقْرَبُ وَبَالَ أُمْرٍ هَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أُمْرٍ هَا حُسْرًا  
(۸:۹-۸:۶۵)

کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی توہم نے ان سے سخت محاسبہ کیا اور ان کو بُری طرح سزا دی۔ انہوں نے

اپنے کیے کا مزا کچھ لیا اور ان کا انجام کارگھانا ہی گھانا ہے۔

قرآن مجید میں اکثر احکام دینے کے بعد اور خاص طور پر عورتوں اور مردوں کے تعلقات کے بارے میں احکام دینے کے بعد ساتھ ہی لوگوں کو بہت شدید الفاظ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان احکام کی خلاف ورزی سے بچیں۔ اس لیے کہ اگر انسان اپنی خانگی اور معاشرتی زندگی میں ظالم اور ایک دوسرے کا حق مارنے والا ہو تو اس سے انسانیت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ سامنے کی حقیقت ہے کہ انسانی تہذیب ساری کی ساری گھر سے شروع ہوتی ہے۔ یہیں سے پوری تہذیب اور تمدن کی عمارت اٹھتی ہے۔ اگر انسان کے گھر میں خرابی ہو، لوگ اپنے گھر کے اندر ظالم اور بے انصاف ہوں، بے رحم اور ایک دوسرے کے حقوق مارنے والے ہوں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی پوری تہذیب اور پورے تمدن کی عمارت انسانیت، شرافت اور اخلاق سے خالی ہو جائے گی، کیونکہ جڑ اور بنیاد خراب ہوگئی۔ اس بنا پر آپ دیکھیں گے کہ قرآن مجید میں جہاں نکاح، طلاق اور معاشرت کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں وہاں احکام دینے کے بعد شدید الفاظ میں اس طرح کی وعیدیں آئی ہیں۔ لہذا فرمایا کہ جن بستیوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے رُگردانی کی، احکام کی خلاف ورزی کی، اللہ کے رسولوں کی بتائی ہوئی حدود کو توڑا، ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بدترین سزا دی۔ سخت محاسبہ ایک وہ ہے جو آخرت میں ہونا ہے لیکن یہاں اس کا ذکر نہیں ہے بلکہ ذکر اس عذاب کا ہو رہا ہے جو ان کے اوپر دنیا میں آیا۔ جس قوم کے گھروں میں بھی عورت اور مرد کے تعلقات بگڑے ہیں اور غلط بنیادوں پر قائم ہوئے ہیں وہ ساری قوم تباہی سے دوچار ہوئی۔

اس وقت مثال کے طور پر آپ دیکھیے کہ یورپ اور امریکا میں سارا معاشرتی نظام اس بُری طرح بگڑا ہے کہ ان میں طلاق کی انتہائی کثرت ہوگئی ہے۔ بالکل ایسا ہو گیا ہے کہ نکاح نامہ گویا کوئی رڈی کا ٹکڑا ہے جس کو جس وقت چاہیں پھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ یہ نکاح کی دستاویز کا مقام بن گیا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہر پانچ نکاحوں میں سے چار کا انجام طلاق پر ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں امریکا میں جس طرح teen agers (نوعمر لڑکے لڑکیوں) کے جرائم بڑھ رہے ہیں، ان کا حال آپ جب چاہیں وہاں کے اخبارات اٹھا کر پڑھ سکتے ہیں۔ یہی حال

۱- یاد رہے کہ یہ ۱۹۶۷ء کا ذکر ہے۔ اب صورت حال اس سے بھی بدتر ہو چکی ہے۔ (مرتب)

یورپ کا ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے غول کے غول جرائم کرتے پھرتے ہیں اور یہ مرض روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ خاندانی نظام کے عدم استحکام اور ابتری کی وجہ سے یہ ایک نیا مسئلہ ان کے لیے پیدا ہو گیا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ جب گھروں کے اندر آپس میں ناچاقی اور نااتفاقی اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے اور عدم برداشت کی وجہ سے نباہ نہ کرنے کے امراض پیدا ہو جائیں، اور اس کے نتیجے میں بچوں کے والدین ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اس کے بعد ان کے بچے جرائم پیشہ نہ بنیں گے تو کیا بنیں گے؟ اس طرح یہ ایک بڑی تباہی کا راستہ ہے جس کی طرف وہ لوگ جا رہے ہیں۔ اگر کوئی قوم ابھی آپ کو اپنی صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ کی وجہ سے کھڑی نظر آ رہی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ ترقی کر رہی ہے اور اس کو استحکام حاصل ہے، بلکہ اس کے اعصاب درحقیقت مفلوج ہو چکے ہیں۔ بظاہر ابھی جڑ اس کی کھڑی ہے لیکن اس کی زندگی کی اصل طاقت ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ ہم ایسی قوموں کا سخت محاسبہ کرتے ہیں اور اس کو بدترین سزا دیتے ہیں۔

اسی لیے فرمایا: فَصَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا (۹:۶۵)،

”انہوں نے اپنے کیے کا مزا پکھ لیا اور ان کا انجام کارگھانا ہی گھانا ہے“۔ گویا جس طرزِ عمل پر وہ قوم چل رہی تھی اس کا انجام بالآخر تباہی ہی ہونا تھا۔

#### آخرت میں شدید عذاب

أَعْمَتَ اللَّهُ لِهَؤُنْوَابِهَا شَبِيهًا تَقْوَا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۗ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ  
 قَفْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ مِنْهُ سُلُوكًا يَنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّهِ اللَّهُ مُبِينٌ  
 لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۗ وَهُوَ  
 يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيَعْمَلُ صَالِحًا يُفْضِلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَرَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝ (۱۱:۶۵) اللہ نے (آخرت

میں) ان کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ پس اللہ سے ڈرو، اے صاحبِ عقل لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نازل کر دی ہے، ایک ایسا رسول جو تم کو اللہ کی صاف صاف ہدایت دینے والی آیات سنا رہا ہے تاکہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ جو

کوئی اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق رکھا ہے۔

پہلے فرمایا گیا کہ وہ قومیں جو اپنا برا انجام اس دنیا میں دیکھ چکی ہیں، اپنی شامت اعمال کا مزاج چکھ چکی ہیں۔ اب اس کے بعد فرمایا کہ: **اَعْمَتَ اللّٰهُ لَھُمْ عَمَّا بَا شَعْبِیْلَہٗ** ان کے لیے عذاب شدید مہیا کر رکھا ہے۔

اس دنیا کے عذاب ہی سے ان کا پیچھا نہیں چھوٹ جائے گا کیونکہ دنیا کا عذاب ان کے کرتوتوں کی سزا نہیں ہے بلکہ اس دنیا کا عذاب تو ان کے کرتوتوں پر ان کی گرفتاری کے مترادف ہے۔ اصل سزا تو ان کو آخرت میں ملنی ہے۔ اگر ایک آدمی جرم کرے تو حکومت کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ اس کو گرفتار کیا جاتا ہے اور اسے لے جا کر حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ عدالت کے آخری فیصلے تک بھی ایک عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر اس کا جرم ثابت ہو جائے تو عدالت کے فیصلے کے بعد اس کو جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ ایسی ہی پوزیشن یہاں ہے کہ اگر کوئی قوم جرائم پیشہ بن جائے اور اس کی پوری معاشرتی زندگی کے تانے بانے کے اندر ظلم و ستم سرایت کر جائے تو اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کا عذاب اس پر آتا ہے تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسے کوئی مجرم چھوٹا پھر رہا تھا اور یکا یک اس کے وارنٹ جاری کر کے اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ گویا دنیا میں عذاب آنا صرف اس مجرم قوم کی گرفتاری ہے۔ آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کا عذاب اس کے جرائم کی اصل سزا نہیں، کیوں کہ جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو اس میں گرفتار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس وقت موجود ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے جو لوگ جرائم کرتے ہوئے گزر گئے اور جن لوگوں نے خرابی کی بنیاد ڈالی تھی جن کی سزا میں یہ نسل پکڑی گئی، تو اصل مجرموں کو کیا سزا ملی۔ مزید غور کیجیے کہ جن لوگوں نے مثلاً ایک معاشرے کے اندر شراب نوشی کو عام کیا وہ تو زندگی گزار کر چلے گئے وہ کہاں پکڑے گئے، پکڑے تو وہ لوگ جائیں گے جو شراب نوشی کا ارتکاب کرتے ہوئے آخر کار گرفتار ہو گئے۔ اس لیے دنیا میں کسی قوم پر جو عذاب آتا ہے اس کی نوعیت اصل سزا کی نہیں ہوتی۔ یہ محض ایک گرفتاری ہے اور اس کے بعد اصل سزا اس کو آخرت میں ملتی ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ: **اَعْمَتَ اللّٰهُ لَھُمْ**

عَمَّا بَا شَيْئًا۔ ”اللہ نے ان کے لیے عذابِ شدید مہیا کر رکھا ہے۔“

### عقل و دانش کا معیار

فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ: ”پس اے عقل رکھنے والو! اللہ سے ڈرو“۔ یہاں عقل رکھنے والوں سے مراد کون ہیں؟ فرمایا: الْأَصْنُفُ، وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھیے کہ جو ایمان نہیں لارہا ہے اس کی عقل ماری گئی ہے اور وہ احمق ہے۔ عقل رکھنے والا دراصل وہی ہے جو ایمان لے آیا۔ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ کہنے کے بعد الْأَصْنُفُ سے خود بخود یہ معنی نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے مطابق خواہ کوئی کتنا ہی بڑا سائنس دان ہو، کتنا ہی بڑا عالم فاضل ہو، اگر وہ ایمان نہیں لایا تو وہ احمق ہے۔ اس کی عقل ماری گئی ہے۔ ایک آدمی بعض چیزوں کے معاملے میں بڑا دانش مند ہوتا ہے۔ لیکن بعض دوسری چیزوں کے بارے میں بالکل نادان اور احمق ہوتا ہے۔ اگر ایک آدمی بہت بڑا قانون دان بھی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ عقل مند بھی ہے۔ صحیح معنوں میں عقل مند ہونا اور چیز ہے اور آدمی کا چالاک، زیرک اور ہوشیار ہونا ایک اور چیز ہے۔ اس مفہوم میں دیکھا جائے تو دنیا میں جو لوگ بظاہر چالاک اور زیرک ہیں وہ زیادہ تر بے وقوف ہیں۔ کیونکہ حقیقی دانش مند جو بھی ہوگا وہ لازماً صاحبِ ایمان ہوگا۔ اس بات کو اگر آپ مزید سمجھنا چاہیں تو مثال کے طور پر دیکھیے کہ ہندوؤں میں کیسے کیسے ماہرینِ علوم پائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ کس جاہلیت میں مبتلا ہیں، اس بات کا آپ تھوڑا سا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک بہت بڑا لیڈر تھا مدن موہن مالویہ۔ وہ ایک بڑا قانون دان اور اعلیٰ درجے کا مقرر تھا اور مانا ہوا زیرک آدمی تھا لیکن اس کی جاہلیت کا حال یہ تھا کہ وہ اس عقیدے پر ایمان رکھتا تھا کہ اگر آدمی بحری سفر کرے تو اس کا دھرم بھر شٹ ہو جاتا ہے۔ لندن میں گول میز کانفرنس میں اُس کو بھی مدعو کیا گیا۔ ہندو قوم کے مفاد کا تقاضا تھا کہ پنڈت جی اس کانفرنس میں جائیں۔ چنانچہ پنڈت جی کو جانا پڑا لیکن واپس آئے تو برہمنوں نے کہا کہ آپ کا دھرم سمندری سفر کی وجہ سے بھر شٹ ہو چکا ہے۔ اس لیے آپ کو اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔ اس کے پرائس چتھ [کفارہ] کی ضرورت ہے۔ اس کفارے میں یہ چیزیں شامل تھیں: گائے کا گوبر جسم پر ملنا، اس کا پیشاب پینا، اس کی دم پکڑ کر بنارس کا ایک گنڈ پار کرنا۔ اپنے عقیدے کے مطابق پنڈت جی نے یہ سب کچھ کیا

تب کہیں جا کر اُن کا دھرم پاک ہوا اور وہ بھر شٹ ہونے سے بچ گیا۔ اس مثال سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ایک آدمی کا کفر ایک بنیادی بیوقوفی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہیں رکھتا تو وہ بیوقوف ہے، چاہے دنیا کی نظر میں وہ کتنا ہی بڑا عالم فاضل ہو۔

اس لیے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اے عقل مندو! یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ یہاں مخاطب مسلمان ہیں اور اُن سے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ تو میں جنھوں نے اللہ کی نافرمانی کی وہ دنیا میں بڑے انجام سے دوچار ہوئیں اور آخرت میں بدترین انجام دیکھنے والی ہیں۔ ان کے طریقے پر نہ چلو بلکہ اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارو۔

#### ایمان کا اہم تقاضا

قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ هُكْمًا لِّئَلَّامًا يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ

(۱۱۰:۶۵) اللہ نے تم پر نازل کیا ایک ذکر، ایک رسول جو تم کو اللہ کی روشن آیات

سناتا ہے۔

یہاں ذکر سے مراد اللہ کا رسول ہے۔ نازل کرنے کا لفظ قرآن کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے لیکن ذکر کے ساتھ فوراً سُورًا کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ دراصل قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و تعلیم دونوں ایک ہی ہیں۔ ایک طرف قرآن ہے اور دوسری طرف رسول کی تعلیم، اس کی سنت اور سیرت و اخلاق و اعمال ہیں۔ بظاہر یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن درحقیقت دونوں ایک ہی ہیں اور دونوں اللہ ہی کی طرف لوٹتی ہیں۔ گویا اللہ نے تم پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ تمہارے اُوپر ذکر نازل کیا اور رسول بھیجا جو اللہ کی آیات تم کو سناتا ہے۔ کھلی کھلی آیات کے لیے آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات واضح طور پر یہ بتا رہی ہیں کہ تم کو دنیا میں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ کیا اختیار کرنا چاہیے اور کیا چھوڑنا چاہیے۔ کوئی چیز اس طرح مبہم نہیں چھوڑی گئی ہے کہ اس سے واضح ہدایت معلوم نہ ہوتی ہو۔

لِيُخْرِجَ الضَّالِّينَ مِنَ الضَّلٰلٰتِ وَيَهْدِيَ الضَّالِّينَ إِلَى الصِّرَاطِ

(۱۱:۶۵) تاکہ وہ نکالے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو تارکیوں سے نور کی طرف۔



دوسرے الفاظ میں یہاں تاریکی سے مراد ہے جہالت، اور نور سے مراد ہے علم۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ فضل فرمایا کہ ایک کتاب بھیجی اور ایک رسول بھیجا، اور اس کتاب اور رسول کے ذریعے سے تم کو ہر طرح کی ہدایات دیں۔ یہ سب کچھ اس غرض کے لیے تھا کہ تم کو جہالت کی تاریکی میں بھٹکنے سے بچایا جائے اور تم کو سیدھا راستہ دکھایا جائے، تاکہ تم روشنی میں آ جاؤ۔ جیسے دن کی روشنی میں آدمی صاف صاف دیکھتا ہے کہ کہاں گزرگاہ میں گڑھے یا کانٹے ہیں اور کس جگہ راستہ صاف اور ہموار ہے۔ تم پر یہ احسان کیا تاکہ تم تاریکیوں سے نکل آؤ، لیکن تاریکیوں سے نکلیں گے وہ لوگ جو ایمان لائیں اور عمل صالح اختیار کریں۔ رسول کے ذمے یہ کام نہیں ہے کہ وہ ہر آدمی کو تاریکی سے روشنی میں نکال لائے، بلکہ رسول تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے گا اس شخص کو جو اولاً ایمان لائے اور اس کے بعد عمل صالح اختیار کرے۔ معلوم ہوا کہ محض ایمان لانے ہی کا نتیجہ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ جانا نہیں ہے، بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ قبول ایمان کا اظہار کرنے کے بعد آپ کا ارادہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور پیروی کا ہے یا نہیں۔ اگر آپ احکام الہی کے مطابق عملی زندگی بسر نہیں کرتے، صالح اخلاق اختیار نہیں کرتے، تو اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ محض ایمان کا اعلان کرنے سے آپ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ جائیں۔ اس کی شرط یہی ہے کہ آپ ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔

پھر فرمایا: وَمَنْ يُؤْمِرْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُخَلِّفْ جَنَّتَهُ تَجْرِبًا وَمَنْ يَتَّبِعْهَا  
الْآنْهَجْرَةَ (۱۱:۶۵) ”جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح اختیار کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی“۔ خَلِّفَ فِيهَا، ”وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے“۔ کبھی ان کے وہاں سے نکلنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ قَفَّ اَنْسَوَ اللّٰهُ لَهٗ  
وَرَقًا، ”اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق مہیا کیا ہے“۔

اللہ کی قدرت کا مظہر

سورہ کے آخر میں فرمایا:

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ط يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ  
لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ

عَلَمًا ۝ (۱۲:۶۵) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انھی کے مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے۔ (یہ بات تمہیں اس لیے بتائی جا رہی ہے) تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

اوپر اللہ پر ایمان لانے کے اچھے نتائج بتانے اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے بعد یہ فرمانا کہ اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے ہیں، اور وہی ہے جس نے اتنی زمینیں پیدا کی ہیں، اور وہی ہے کہ جس کا حکم تمام آسمانوں اور زمینوں میں نازل اور جاری ہوتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ یہ اس غرض کے لیے ہے کہ انسان کو احساس ہو کہ میرا سابقہ کس خدا سے ہے، اُس خدا سے ہے جو علیم و قدیر ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ یہ احکام کوئی انسان تمہیں نہیں بتا رہا ہے کہ جس کی طاقتوں کی ایک حد ہوتی ہے، بلکہ یہ احکام وہ بنا رہا ہے جو کائنات کا خالق و مالک اور فرماں روا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ: ”اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین کی قسم سے اس کے مثل“ (وَمِثْلَهُنَّ) ، تو دوسرے الفاظ میں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے یہ زمین ہمارے لیے گہوارہ ہے جس پر بے حد و حساب مخلوق جی رہی ہے، اسی طرح سے کچھ اور زمینیں بھی ہیں جو اپنی اپنی آبادی کے لیے گہوارہ ہیں۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ اسی زمین کے اندر اوپر تلے مختلف تہیں ہیں جن میں آبادی پائی جاتی ہے لیکن یہ مراد نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جیسی یہ زمین ایک سیارہ (planet) ہے جس کے اندر بستیاں اور آبادیاں ہیں اسی طرح عالم بالا میں کچھ دوسرے سیارے بھی ہیں جن کے اندر ایسی ہی بستیاں آباد ہیں۔

قرآن مجید میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ عالم بالا میں اسی طرح سے دوسری مخلوقات پائی جاتی ہیں جس طرح اس زمین پر پائی جاتی ہیں۔ سورہ شوریٰ میں آسمان و زمین کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے: وَمَا بَدَأْنَا فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا لِيُحَدِّثَ لَكُمْ آيَاتِنَا وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُم بِالْحَقِّ (الشوریٰ ۲۲:۲۹)، ”اور زمین اور آسمانوں میں، دونوں کے اندر جو مخلوق اُس نے پھیلا رکھی ہے“۔ دَابَّةً مِّنْهُم مَّا يَلْمِزُكَ فَيُلْمِزُكَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُم بِالْحَقِّ (الشوریٰ ۲۲:۲۹)، ”اور زمین اور آسمانوں میں، دونوں کے اندر جو مخلوق اُس نے پھیلا رکھی ہے“۔ معلوم ہوا کہ زندہ مخلوقات صرف اسی زمین پر نہیں ہیں بلکہ دوسرے سیارے بھی

ایسے ہیں جن میں زندہ مخلوقات موجود ہیں اور انہی کے لیے اُدْحٰر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔  
**مِنَّا هَهُوَ** کا مطلب لازماً یہی نہیں ہے کہ وہ سات ہی ہیں۔ یہ مثلیت [یکسانی] تعدد کے لحاظ سے ہے، تعداد کے لحاظ سے نہیں۔ یعنی جس طرح کہ آسمان متعدد ہیں، ایسے ہی زمینیں بھی متعدد ہیں لیکن اس سے مراد سات زمینیں نہیں۔ اس کائنات کے اندر جس کی کوئی حد نہیں ہے، بے حساب سیارے ہیں اور اتنے بڑے بڑے سیارے ہیں کہ ہماری یہ زمین اگر ان کے اندر ڈال دی جائے تو ایسا ہوگا جیسے کہ ایک بڑے مٹکے کے اندر چنے کا ایک دانہ ڈال دیا جائے۔ تو اس کائنات کے اندر پائے جانے والے سارے سیارے اور ستارے ڈھنڈار پڑے ہوئے نہیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس پوری کائنات میں آباد بس یہی ایک زمین ہو اور باقی پوری کائنات بے آباد پڑی ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ **بَيِّنَةٌ لِّلْاٰمَمِ بَيِّنَةٌ**، ”ان کے درمیان امر نازل ہوتا ہے۔“ مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا کا حکم اس زمین پر چل رہا ہے، اسی طرح دوسری زمینوں اور آسمانوں میں بھی چل رہا ہے۔ کائنات میں ہر جگہ اس کا حکم نافذ ہو رہا ہے۔ زمین کی طرح وہاں بھی اس کے احکام آتے ہیں اور نافذ ہوتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر وہ پوری کائنات کا مالک اور فرماں روا ہے، فقط اس زمین کا مالک اور فرماں روا نہیں ہے۔

**لَتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** یہ تم کو اس لیے بتایا جا رہا ہے کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی چیز اس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے روکنے والی نہیں ہے۔ کوئی چیز اس کے حکم کی مزاحمت کرنے والی نہیں ہے۔ اگر وہ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہے اور صرف اپنی ہوا کو اشارہ کر دے تو وہی اس کو ہلاک کر کے رکھ دے گی اور اس کے سارے آلات اور مشینیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ گویا اللہ کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ مزید یہ بھی فرمایا: **وَاَنَّ اللّٰهَ قَدِيْرٌ اٰتَا طَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا**، ”اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔“ یعنی تم کوئی کام ایسا نہیں کر سکتے جو اللہ کے علم سے خارج ہو اور اس کو یہ علم نہ ہو کہ تم نے کیا کام کیا ہے۔ جو کچھ بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے، اور اس کے مطابق وہ تمہاری جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔ **صَوَّ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ** کیسٹ سے تدوین: حفیظ الرحمن احسن)